Al-Azhār
ISSN (Print): 2519-6707
Volume 8, Issue 1 (Jan-June, 2022)

Issue:http://www.alazhaar.org/index.php/alazhar/issue/view/16
URL: http://www.al-azhaar.org/index.php/alazhar/article/view/220
Article DOI: https://doi.org/10.46896/alazhr.v7i01.220

Title A Comparative Analysis of Sir Syed Ahmad Khan and Justice Syed Amir Ali as Sirah writers

Author (s): Muhammad Usman, Dr. Sahibzada Baaz Muhammad

Received on: 29 June, 2021
Accepted on: 29 May, 2022
Published on: 25 June, 2022

Citation: Muhammad Usman and Dr. Sahibzada Baaz Muhammad A Comparative Analysis of Sir Syed Ahmad Khan and Justice Syed Amir Ali as Sirah writers," Al-Azhār: 8 no, 1 (2022): 453-470

Publisher: The University of Agriculture Peshawar

Click here for more

سرسید احمد خان اور جسٹس سید امیر علی کے اسلوب سیرت نگاری کا تقابلی جائزہ

A Comparative Analysis of Sir Syed Ahmad Khan and Justice Syed Amir Ali as Sirah writers

*محمد عثمان
**ڈاکٹر صاحبزادہ باز محمد

Abstract

The subcontinent has been bestowed with various such personalities who have rendered remarkable services to the country, the nation and the religion. One of them is Syed Ahmad Khan, whose ideological thoughts and practical movements have played an unparalleled role in formation of the coming generations. So far, his thoughts and character have been promoted. The other person is Syed Amir Ali, who has offered invaluable works and services to the Muslim Ummah. His works are still used today. In this article, a comparative sketch of the services rendered by them regarding the Sirah of the Prophet (Peace Be Upon Him) will be made. In this regard, a brief introduction of these two personalities, services for the life history of the holy prophet, methodologies and styles of their description, characteristics of their writings, similarities and differences will be compared.

Keywords: introduction of Syed Ahmad Khan, Syed Ameer Ali, Services towards the Sirah of the Prophet, Styles, characteristics, similarities and differences.

---

*لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، Takatu Campus, BUITEMS, Quetta, Baluchistan
**ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف بلوچستان، کوئٹہ

تمہید:

بر صغیر پاک وہند کو اللہ تعالی نے ایسی کئی شخصیات سے نوازا ہے، جنہوں نے ملک، قوم اور مذہب کے لیے قابل ذکر خدمات انجام دی ہیں۔ان میں سے ایک سر سید احمد خان ہیں، جن کے نظریاتی افکار اور عملی تحریکوں نے آنے والی نسلوں کی تشکیلِ نو میں بے مثال کردار ادا کیا ہے۔اب تک،ان کے افکار اور کردار کو فروغ دیا جاتا ہے۔دوسرا شخص سید امیر علی ہے، جس نے امت مسلمہ کے لیے انمول کام اور خدمات پیش کی ہیں۔ان کی تصانیف کو ایک معتبر اور معتدل ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور آج تک ان کے پڑھنے کی سفارش کی جاتی ہے۔ مقالہ ہذا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے حوالے سے ان دونوں حضرات کی خدمات کا تقابلی خاکہ پیش کیا جائے گا۔اس سلسلے میں، سب سے پہلے سر سید احمد خان کا مختصر تعارف،ان کی خدمات سیرت،ان کی اسالیب سیرت نگاری اور خصوصیاتِ تحریر پر ایک معتدبہ گفتگو کی گئی ہے۔اس کے بعد جسٹس سید امیر علی کا مختصر تعارف،ان کی خدماتِ سیرت،اسالیب سیرت نگاری، اور خصوصیاتِ تحریر پر بیانی انداز میں بات کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس طرح ان دونوں کی تفصیل کے بعد، ان کے درمیان مشترکات اور مفترقات کا پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔اگرچہ ان دونوں کے درمیان مختلف اعتبارات سے مفترقات اور مشترکات پایا جاہے، لیکن اس مقالہ میں سیرت نگاری کے حدود میں رہتے ہوئے ان دونوں شخصیات کا سیرت نگاری کے تناظر میں تقابلی اور تنقیدی جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ مقالہ کے آخر میں ایک خلاصہ دیا گیا ہے، جس میں اس مطالعہ کی روشنی میں نکلنے والے نتائج بیان کیے گئے ہیں۔

سر سید احمد خان کا تعارف:

سید احمد خان بن سید متقی بن سید میر ہادی بن عمادالدین بن برہان الدین بن محمد دوست،آگے جاکر ان کا سلسلہ نسب ۳۴ واسطوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے،ان کے نسبی سلسلہ میں سب سے آخر میں امام محمد تقی ابن امام موسیٰ رضا علیہما السلام ہیں۔اس لیے وہ اپنے آپ کو تقوی سید کہا کرتے تھے۔(۱) جس زمانے میں بنی فاطمہ پر بنی امیہ اور بنی عباس کی طرف سے مظالم ڈھائے گئے تھے،اس زمانے میں سید احمد خان کے آباء واجداد ظلم و ستم سے تنگ آکر وامغان جو ایران کا مشہور قدیم شہر ہے، ہجرت کر گئے تھے۔ایرن سے وہ ہرات چلے گئے اور شاہ جہان کے دور میں وہ ہندوستان آکر آباد ہوگئے۔سید احمد خان ۵ ذو الحجہ ۱۲۳۲ھ بمطابق ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دلی میں سید متقی اور عزیز النساء کے گھر میں پیدا ہوئے۔سید احمد خان اکیاسی سال کی عمر میں ۲۸۔مارچ ۱۸۹۸ء کو اس دارفانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے اور اپنے کالج کی مسجد میں مدفون ہوئے۔(۲)

سر سید احمد خان کی خدمات سیرت:

سید احمد خان نے سیرت سے متعلق کئی کتابیں، مضامین اور مقالے لکھے ہیں۔ جن میں جلاء القلوب بذکرالمحبوب، راہ سنت در رد بدعت اور خطبات احمدیہ قابل ذکر ہیں۔ یہ کتابیں نام اور زمانہ کے اعتبار سے اگرچہ ایک دوسرے سے مختلف لگتی ہیں، لیکن اندازِ بیان کے اعتبار ایک دوسرے سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔اور

تینوں میں وہ خاصیت جھلکتی ہوئی دیکھائی دیتی ہے جو سید احمد خان کی سرشت میں ان کی ماں سے منتقل ہوئی۔ ان کی ماں ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں جو اوہام اور فرضی خرافات سے خاصی دور تھیں اور معاشرے میں بے جا توہمات کو رد کیا کرتی تھی۔ اس لیے سید احمد کے افکار اور کردار میں ان کے واضح اثرات پائے جاتے ہیں۔ (۳)

سید احمد خان نے جلاء القلوب بذکرا لمحبوب میں پیشہ ور میلاد خوانوں سے استدعا کی ہے کہ محافل میلاد میں مستند روایات ہی بیان کیا کریں۔ راہ سنت در رد بدعت کو مسلم معاشرے میں مروجہ بدعات کے رد میں لکھا ہے، جبکہ خطبات احمدیہ ولیم میور کی سیرت النبی ﷺ پر لکھی ہوئی کتاب " لائف آف محمد " کے جواب میں لکھی، جس میں اس کے اعتراضات کا تشفی جواب دیا ہے۔ (۴)

سرسید احمد خان کے اسلوب سیرت نگاری:

سید احمد خان نے اپنی تصانیف میں متعدد موضوعات پر بات کی ہے، موضوع کی مناسبت سے متعلقہ مباحث تفصیل سے قلمبند کیا ہے، جہاں نقلی روایات موجود ہوں، وہاں نقلی روایات سے ابتدا کرتے ہیں پھر عقل اور قانون فطرت کی روشنی میں تحلیلی جائزہ لیتے ہوئے نتائج پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس لیے ان کی تصانیف میں موضوع کی مناسبت سے، اسالیب مختلف بھی ہو جاتے ہیں اور زیادہ بھی ہو جاتے ہیں، اگرچہ سب کو یہاں پر ذکر نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ وہ بنیادی اور اساسی اسالیب جو اکثر مقامات اور اکثر موضوعات میں، خاص کر اسلامی اور مذہبی موضوعات بروئے کار لائے گئے ہیں، ان میں سے بھی چند خاص اسالیب کو یہاں اس مقالہ میں شامل کیا جاتا ہے۔

اسالیب مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ عمومی طرز تحقیق:

سید احمد خان کا عمومی طرز تحقیق یہ ہے کہ کسی بھی موضوع کو شروع کرنے سے پہلے چند تمہیدی باتیں عرض کرتے ہیں، پھر موضوع سے متعلق ابتدا قرآن کریم کی آیت سے کرتے ہوئے معتبر احادیث سے اپنی مدعا کو قوی کرنے کوشش کرتے ہیں، پھر مفسرین و مؤرخین کے اقوال اور تشریحات پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد عیسائی علما نے جن روایات سے استدلال کیا ہے، وہ روایات اور ان کے استدلال کو مکمل وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں، پھر انہیں روایات اور استدلال کا معتبر روایات اور عقلی دلائل کی روشنی میں مکمل جانچ پڑتال کر کے اپنے مدعا کو ثابت کرتے ہیں۔ درین اثنا، معتبر روایات سے استدلال اور درست تشریح کرنے والوں کی، چاہے مسلم ہوں یا غیر مسلم، توصیف کرتے ہیں اور غیر معتبر روایات سے استدلال یا کم فہمی، عناد اور غلط فہمی کی وجہ صحیح تشریح نہ کرنے والوں کی تذمیم کرتے ہیں۔ (۵)

۲۔ دینی ورثہ کے بارے میں ان کی طرز گفتگو:

سید احمد خان نے مسلمانوں کے دینی ورثہ پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، جس میں وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قرآن کریم کے علاوہ باقی احادیث میں سے اکثر روایت بالمعنی ہونے کی وجہ سے مکمل قابل اطمینان نہیں ہیں، بلکہ قابل

تحقیق ہیں۔ پچھلے زمانے کے علمائے دین کی تصانیف کے عیب و ہنر جانچنے کے لیے انہوں نے کئی تحقیقی اصول کو مد نظر رکھنا ضروری گردانا ہے۔اسی لیے علمائے اسلام نے تسلسل سند،اوصاف راوی اور تفقہ فی الدین کے اعتبار سے روایات کو مختلف قسموں میں تقسیم کر دیا ہے۔سید کے نزدیک ، تحقیق کیے بغیر ان روایات سے استدلال کرنا اور ان کی وجہ سے اسلام کو مورد الزام ٹھہرانا علمی ناانصافی ہو گی۔ان کے بقول مسلمان مؤرخین و مفسرین اور سیرت نگاروں نے اپنی کتابوں میں کمزور روایات کو کافی جگہ دی ہے۔

انہوں نے کئی کتب حدیث و سیرت کا نام لے کر ذکر کیا ہے کہ ان کی روایات کو تحقیق کے بغیر قبول نہیں کیا جا سکتا ، مثلا؛ بیہقی ، دار قطنی، مواھب لدنیہ ، سیرت ابن ہشام،تاریخ بخاری، تاریخ طبری،ابن سعد ، کاتب ، واقدی، مدارج النبوہ، قصص الانبیاء، معراج نامہ ،مولد نامہو غیرہ،ان کے بارے میں وہ رقم طراز ہیں، "جب تک ان کے صحیح ہونے یا غلط نہ ہونے کی کوئی وجہ نہ ہو،مطلقا قابل التفات نہیں ہیں اور ان کی اکثر روایتیں نامعتبر اور موضوع ہیں،ان پر استدلال کرنے سے زیادہ کوئی کام نادانی و سفاہت و بلادت کا نہیں ہے"۔( )

۳۔ محققانہ اسلوب:

سید صاحب کا اسلوب انتہائی محققانہ معلوم ہوتا ہے۔وہ کسی بھی موضوع پر ہر طرف سے سیر حاصل بحث پیش کرتے ہیں۔اکثر ابہام کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اور وہ مغربی مصنفین کے طرز تحقیق پر کبھی کبھار تعجب کا اظہار کرتے ہیں، چناچہ ایک مشہور پادری عالم مائی کیلس جس نے پیریکلیطاس کے معنی بیان کیے ہیں،اس کے بارے میں رقم فرماتے ہیں "البتہ اس کے اثبات کا جو طرز اختیار کیا ہے وہ عجیب ہے اس کو چاہیے تھا کہ لفظ مذکور کو کسی محقق کی تصنیف میں تلاش کرتا اور اس کے معنوں کی تشریح اس لفظ کے استعمال سے ثابت کرتا اس نے ان سب باتوں کو چھوڑ کر جس زبان کے لفظ سے یہ نکلا ہے (یعنی کالڈی زبان) اس کے محاورہ اور استعمال سے اپنا بیان ثابت کرنے پر استدلال رکھا ہے"(۷)

اور خود سید صاحب اپنے موقف کے بارے میں سب سے پہلے قرآن، معتبر احادیث،اور کتب مقدسہ میں سے وہ اقوال جو ان کے ہاں معتبر شمار کیے جاتے ہیں پھر عقلی دلائل سے اس کو اور مزین کرتے ہیں۔(۸)

۴۔ منصفانہ اسلوب:

سید صاحب اکثر حدود کے اندر رہتے ہوئے تحقیق، تنقید اور تجزیہ کرتے ہیں۔ ضد و عناد، فرط محبت اور جذبات میں آ کر کسی کے بارے میں بے جا تنقید و توصیف سے گریز کرتے ہیں۔درست بات اور صحیح تحقیق کرنے والوں کی چاہے وہ مسلمان ہوں یا نہ ہوں، توصیف کرتے ہوئے ان کی تحقیق کو تسلیم کرتے ہیں۔غلط اور بے جا الزام جس پر بھی عائد ہوا ہو، مثلا؛لوط علیہ السلام نے اپنی بیٹوں سے قربت کی،اس کو انہوں نے شان انبیا اور عصمت انبیا کے خلاف قرار دیا ہے،اور ایک معتدل تاویل پیش کی ہے، حالانکہ یہ ایک موقع بھی تھا کہ اس سے تحریف کتب مقدسہ کے اوپر ایک دلیل پیس کرتے ،اس طرح کسی موقع کی تلاش میں نہیں رہتے، جو ان کے منصفانہ روش

کے خلاف ہے۔ اسی طرح میور نے ایک راہب پر جعل سازی کا الزام لگایا ہے، جبکہ سید نے ایک معقول دلیل سے اس کا بھی دفاع کیا ہے۔[۹]

۵۔ آزادانہ اسلوب:

سید صاحب نے جہاں بھی کوئی غیر مستند بات دیکھی ہے یا غلط فہمی اور ہٹ دھرمی محسوس کی ہے، اس کو آزادانہ طریقے سے درست کرنے کی کوشش کی ہے۔ پھر چاہے وہ انساب میں ناموں کے التباس کا معاملہ ہو، مثلاً: عاد اولی، عاد ثانی اور عاد ثالث یا پھر کسی کے بارے میں الزام اور تحقیر کی بات ہو، مثلاً: بی بی ہاجرہ کا لونڈی ہونا، اسماعیل کا ذبیح ہونا، لوط کا اپنی بیٹوں کے ساتھ قربت یاجوج وماجوج، ذوالقرنین، تعمیر کعبہ ہو، یا پھر مذہبی روایات کی بات ہو، ان کے علاوہ بہت سارے موضوعات پر کسی کے فتوی اور الزام کی پرواکیے بغیر آزادانہ مباحث چھوڑے ہیں۔ مزید برآن وہ چیزیں جن کو اکثر لوگ تبرکات سمجھ بیٹھے ہیں، انہوں نے ان کو توہمات قرار دیا ہے، مثلاً؛ زمزم کا پانی، غلاف کعبہ، حجر اسود وغیرہ۔[۱۰]

۔ دفاعی واقدامی اسلوب:

سید صاحب نے بظاہر تو اپنی کتاب کو سر ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمد" کے جواب میں لکھی ہے۔ عموما جواب دینے والا یا دفاع کرنے والا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، بلکہ مخالف کو ساکت کرنے کے لیے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے، اس لیے کہ ان کو بھی شکست کا خوف لاحق ہوتا ہے اور کبھی کبھار اعتدال کی حدود سے تجاوز کر کے ذاتیات پر بھی حملہ آور ہوتا ہے۔ حالآنکہ سید صاحب کے جوابات اور طرز تحقیق پر غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب صرف دفاع کرنے پر اکتفا نہیں کر رہے، بلکہ اصل میں اقدام ہی کر رہے ہیں، کیوں کہ وہ اپنے جوابات کے بارے میں انتہائی مطمئن اور پر عزم دیکھائی دیتے ہیں۔
جہاں وہ قرآن، حدیث کی غلط تشریح کا دفاع کرتے ہیں یا پیغمبر اسلام پر کسی الزام کا دفاع کرتے ہیں وہاں وہ کتب مقدسہ کی غلط تشریحات اور دوسرے انبیا جیسے لوط علیہ السلام و دیگر پر غلط الزام کا بھی اسی طرح دفاع کر رہے ہوتے ہیں۔ جہاں وہ کسی مسلمان عالم پر تنقید، تذمیم اور توصیف کرتے ہیں اسی طرح وہ کسی پادری عالم پر بھی کرتے ہیں۔ اس لیے ان کے طرز تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کو نیچا دکھانے کے لیے موقع کی تلاش میں نہیں رہتے، بلکہ ان کی تصحیح کرنے کی مکمل کوسعی کرتے ہیں، جس سے ان کے اسلام کے بارے میں اطمینان قلب کا پتہ چلتا ہے۔ لہذا محقق اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ سید صاحب اگرچہ بظاہر دفاع کے لیے آئے تھے، درحقیقت اقدام کر گئے ہیں۔[۱۱]

۷۔ کتب مقدسہ سے استدلال:

سید احمد خان نے کتب مقدسہ یعنی عہد عتیق اور عہد جدید دونوں سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ عقائد کے علاوہ اکثر اعتبارات میں ان سے استفادہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اپنے مقالات میں ایک مستقل خطبہ ان بشارات سے

مرتب کیا ہے جو کتب مقدسہ میں آپ ﷺ کے متعلق مذکور ہوئے ہیں۔ مزید برآں وہ مغربی علما اور پادریوں کی تشریحات کا تحلیلی و تنقیدی جائزہ بھی لیتے ہیں۔ [۱۲]

۸۔ عقلیت پسند رجحان:

سید احمد خان نے مابعد طبیعات کو مقصودی انداز میں زیر قلم لائے ہیں، ان کو عقل اور فطرت کے قریب لانے کی مکمل کوشش کی ہے۔ ملائکہ، شیطان، معجزات، وحی، نبوت وغیرہ کے لیے عقلی توجیہات پیش کی ہے، مثلاً: شیطان کے بارے میں وہ لکھتے ہیں، "غرض کہ تمام محققین اس بات کے قائل ہیں کہ انہی قوی کو جو انسان میں ہیں اور جن کو نفس امارہ یا قوائے بہیمیہ سے تعبیر کرتے ہیں، یہی شیطان ہے۔" [۱۳]

۹۔ تقابلی طرز تحریر:

سید احمد خان کبھی کبھار عیسائی علما کو جواب دیتے ہوئے آپ ﷺ اور حضرت عیسی اور دیگر انبیا، قرآن اور دیگر کتب اور احادیث و مغربی علما کا اپنی کتابوں کی تشریحات کا تقابلی جائزہ بھی لیتے ہیں۔ [۱۴]

سر سید احمد خان کی خصوصیاتِ سیرت:

سید احمد خان کئی خصوصیات کی حامل شخصیت شمار کی جاتی ہے، لیکن یہاں ان کی خصوصیات میں سے صرف چند مشہور اور واضح خصوصیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔ ا۔ بہادری:

جہاں جہاں ان کو کجی محسوس ہوئی، وہاں وہاں انہوں نے بلا خوف و خطر اور بغیر کسی جھجک اور توقف کے، اس موقف کے بارے میں اچھی خاصی تحقیق کے بعد ایک واضح موقف اختیار کیا ہے۔ صحیح ہونے کی صورت میں اس کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے قائلین کی توصیف و تقلید کرتے ہیں، جبکہ غلط ہونے کی صورت میں اس کو غلط، غیر معقول، غیر معتبر، مذہبی گرم جوشی، تعجب خیز، کم فہمی، عناد اور متناقض، جیسے الفاظ و القاب سے اس موقف کے قائلین، مفہوم اور روایات کو نواز دیتے ہیں۔

۲۔ زبان پر عبور: سید صاحب بہت آسانی سے اپنی مافی الضمیر کے اظہار کے لیے موزوں الفاظ لاتے ہیں اور عموماً ہر تعبیر میں ان کا قلم اور زبان ساتھ دیتے ہیں۔

۳۔ سلاست بیان: سید صاحب انتہائی سہل، عام فہم اور مربوط انداز میں اپنے مطالب دلنشین کراتے ہیں۔ قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسا کہ ایک ہی مجلس میں مکمل کتاب لکھی گئی ہے۔

۴۔ فلسفیانہ طرز گفتگو:

سید صاحب اپنی بات کو مدلل اور جامع انداز پیش کرتے ہیں۔ کسی بھی موضوع کے ہر پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ابتدا اور انتہا کو مد نظر رکھتے ہوئے کافی حد تک مکمل تجزیہ زیر بحث لاتے ہیں، جو ایک فلسفی کی خصوصیات میں سے ہے۔

۵۔ بردباری:

تحقیق کے دوران انہوں نے ذاتی جزبات کو قابو کیا ہوا ہوتا ہے، بلکہ اکثر موضوعات کا تحقیقی جوابات پیش کرتے ہیں، الزامی جواب یا فتوی کے ذریعے جان چھڑانے کی سعی لاحاصل نہیں کرتے، بلکہ مشکل سے مشکل اعتراضات کے جوابات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد تحقیقی اصول کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ سید صاحب مذہب کے اندر اور مذہب سے باہر دونوں طرح کی آزادی کے قائل ہے اور دونوں پر بحث کرتے ہوئے کافی وسیع النظر اور برادشت کے حامل نظر آتے ہیں۔

۔ تہذیب پسند رجحان:

عتیق صدیقی اپنی کتاب "سرسید احمد خان ایک سیاسی مطالعہ" میں لکھتے ہیں کہ سید صاحب اپنے مضمون جس کا عنوان یہ ہے" کن کن چیزوں میں تہذیب چاہیے"اس عنوان کے تحت انیتس چیزوں میں انہوں نے اصلاح کی ضرورت محسوس کی ہے۔ کھانے پینے کے طریقے سے لیکر لباس اور آزادی رائے تک مکمل وضاحت کے ساتھ بیان فرمایاہے۔ تہذیب پر کئی مضامین لکھے ہیں۔اس لیے عتیق صدیقی نے سید کو ایک مصلح ایک مجدد کے القاب سے نوازاہے۔[(۱۵)]

۷۔ قدیم ماخذ سیرت پر نظر ثانی کی ضرورت:

سید صاحب نے اسلامی علمی ورثہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، جس میں انہوں نے قرآن کریم کو سب سے معتبر اور مستند قرار دیاہے، جس کے بارے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔البتہ باقی احادیث میں سے صحاح ستہ یا سبعہ کو معتبر قرار دیتے ہوئے تحقیق کی ضرورت محسوس کی ہے اوران کو رسول خدا کے الفاظ ماننے میں تامل کا اظہار کیا ہے۔ علماکے پرکھنے کے اصولوں سے مکمل طور پر مطمئن دیکھائی نہیں دیتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں کہ ایسی احادیث جو قرآن کے مطالب کے خلاف یا متناقض ہوتی ہیں،ان کو غلط یا موضوع قرار دیا جاتا ہے۔اسی طرح ایک راوی کی بہت ساری روایتوں میں سے اگر ایک روایت مشتبہ ہوجاتی ہے،تب ان کے دیگر روایات بھی شبہ سے خالی نہیں ہوتیں۔

مزید برآں، انہوں نے علما کو دو قسم پر بیان فرمایا ہے کہ ایک وہ ہیں جو اللہ تعالی کی قدرت کاملہ پر یقین خالص کرتے ہوئے ہر کام کو جو عقل اور قانون فطرت کے خلاف کیوں نہ ہو، اللہ کی طرف منسوب کر کے تسلیم کر لیتے ہیں، جس کو سید صاحب، بہشتی آدمیوں کا لقب دیتے ہیں۔ یہ لوگ کسی چیز کی نہ تحقیق کرتے ہیں اور نہ نکتہ چینی کو گوارا کرتے ہیں، ہر روایت کو صحیح و معتبر مانتے ہیں، یہاں تک کہ اگر متناقض روایتیں آجاتی ہیں، تب بھی ان کو وہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ متعدد دفعہ ہوا ہو گا، پس ایسے بزرگوں کی لکھی ہوی کتابیں، جو مذہبی جوش حرارت سے بھری ہوی ہوتی ہیں، ان کی تصانیف سے کوئی غیر ملکی دین اسلام پر استدلال نہیں کر سکتا۔

دوسری قسم علما کی وہ ہوتی ہے کہ کسی بھی بات اور روایت کی صحت کو عقل، قانون قدرت اور کسی فلسفیانہ اصول کی روشنی میں تحقیق کرنے پر زور دیتے ہیں۔ اگرچہ پہلی قسم کے علمانے ان کو دین کا دشمن اور گمراہ قرار دیا ہے، تاہم وہ کہتے ہیں کہ ان سے شاہ ولی اللہ بھی نہ بچ سکے۔[(۱)]

جسٹس سید امیر علی کا تعارف:

امیر علی بن سعادت علی بن منصور علی بن محمد طاہر بن احمد افضل خان، آگے جا کر ان کا سلسلہ نسب امام علی رضا تک جاتا ہے، جو اثنا عشری فرقہ کے آٹھویں امام تھے۔ ان کے آباواجداد نامور عباسی خلیفہ مامون الرشید کی دعوت پر خراسان آئے پھر مغل بادشاہ محمد شاہ کے دور میں ان کی خواہش پر ہندوستان آکر آباد ہو گئے تھے۔

امیر علی ۔اپریل ۱۸۴۹ء کو چنسورہ کے ایک معتدل (مالی طور پر) خاندان میں سعادت علی کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی زندگی ہندوستان میں جبکہ زندگی کا آخری حصہ انگلستان گزارا اور اناسی سال کی عمر میں دل کا دورہ پڑنے سے ۳۔ اگست ۱۹۲۸ء کو اس دار فانی سے رخصت ہو گئے اور بروک وُڈ قبرستان میں مدفون ہوئے۔ [۱۷]

جسٹس سید امیر علی کی خدماتِ سیرت:

امیر علی نے سیرت سے متعلق مختلف کتابیں اور مضامین پیش کیے ہیں، جن میں روح اسلام اور تاریخ اسلام قابل ذکر ہیں۔ ان ہی دو تصانیف سے ان کے باقی مضامین اور کتابچے، مثلاً: اسلام، شریعت محمدی، پرسنل لاء آف محمدؐ اور خلاصہ شریعت محمدی برائے طلباء وغیرہ اخذ کئے گئے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے کہ ایک ہی چشمہ سے مختلف اوقات میں چھوٹے بڑے برتنوں میں پانی لیا جائے جو مقدار کے اعتبار سے تو مختلف ہو سکتے ہیں جبکہ معیار اور انداز کے لحاظ سے ایک جیسے ہوتے ہیں۔

روح اسلام دراصل امیر علی کی پہلی تصنیف "حیات و تعلیمات محمدی ﷺ" کی ترمیم شدہ شکل ہے۔ اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ دس ابواب پر مشتمل ہے، جن میں سے نو ابواب آنحضرتؐ کی حیاتِ طیّبہ سے متعلق ہیں اور آخری باب خلافت و امامت سے متعلق ہے۔ دوسرا حصہ گیارہ ابواب پر مشتمل ہے جن میں اسلامی تعلیمات کے اہم موضوعات پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ [۱۸]

تاریخ اسلام، جس کا انگریزی نام (اے شارٹ ہسٹری آف دی سراسین) ہے۔ یہ امیر علی کی ایک شاہکار تصنیف شمار کی جاتی ہے۔ اس میں عہد رسالت سے لے کر بغداد کی تباہی اور اسپین میں مسلمانوں کی حکومت کے خاتمے تک کی اسلامی تاریخ لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب اکتیس ابواب پر مشتمل ہے۔ دوسرے اور تیسرے باب میں عہد رسالت کے اہم واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ ان دو ابواب میں آپ ﷺ کی ابتدائی، مکی اور مدنی زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر علی کہتے ہیں کہ انحضرت ﷺ نے منتشر اور پسماندہ عرب قبائل کو اسلام کے رشتہ میں منسلک کر کے ایک متحد اور طاقت ور قوم بنا دیا۔ تھوڑی سی مدت میں آپ ﷺ نے عربوں کی زندگی میں وہ زبردست انقلاب پیدا کر دیا، جو ہمیشہ کے لیے یاد رکھا جائے گا۔ [۱۹]

جسٹس سید امیر علی کے اسلوب سیرت نگاری:

سید امیر علی نے کئی کتابیں اور متعدد مضامین، اسلام اور قومی خدمات کی خاطر تحریر فرمائے ہیں۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں ادیبانہ انگریزی اپنائی ہے، تاکہ اسلام اور مسلمانوں کے پیغامات حکمران طبقہ، انگریزوں تک وضاحت کے ساتھ پہنچ سکیں۔ اس لیے جہاں جن اسلوب کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی، وہاں وہی اسلوب

انہوں نے استعمال کیے ہیں۔ اس لیے ان کی کتابیں مختلف اسالیب سے مزین دیکھائی دیتی ہیں۔ تاہم، سارے اسلوب یہاں پر بیان نہیں کیے جا سکتے، بلکہ چند مشہور اسالیب کو قارئین کرام کی نذر کیا جاتا ہے۔

اسالیب مندرجہ ذیل ہیں:۔

ا۔ مآخذ سیرت و تاریخ اسلامی پر اعتماد کا اظہار:

امیر علی نے چند مآخذ سیرت کو معتبر سمجھ کر ان پر اعتماد کا اظہار کیا ہے اور اپنی تصانیف میں ان سے استفادہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میری کتابوں کی بنیاد ابن ہشام کی سیرۃ الرسول، ابن الاثیر کی ضخیم تاریخ (الکامل)، طبری کی تاریخ الامم والملوک، الحلبی کی انسان العیون (المعروف بہ سیرۃ الحلبیہ اور دیگر کتابوں پر رکھی گئی ہے۔[۲۰]

۲۔ دفاعی اسلوب:

ماہر قانون ہونے کے ساتھ ساتھ امیر علی اپنے دل میں اسلام کی سچی محبت اور دماغ میں گہری بصیرت رکھتے تھے، اس لیے جہاں جہاں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کی غلط یا غیر مناسب تشریح کی جاتی تھی، وہاں وہاں اس کی تصحیح اور تردید کو اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے اور دوسرے مغربی مؤرخین سے شکوہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلام کی حقیقی ترجمانی اور حقیقی روح کو پیش کرنے سے تجاہل عارفانہ برتا گیا یا قدردانی نہ کرنے کا ارتکاب کیا گیا، جبکہ اسلام واحد وہ مذہب ہے جس نے اتنی سرعت اور تیزی سے انسانی ضمیر کو ہم آہنگ اور متاثر کیا جس کی مثال تاریخ ادیان میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ پھر غالبانہ انداز میں تردید مع دلیل پیش کرتے ہیں، مثلاً؛ محمد احسان الحق لکھتے ہیں، " کہ آپ براعظم پاک وہند کے عہد انگلیشہ کے پہلے مصنف ہیں جنہوں نے اپنی تحریروں میں مغلوبانہ یا ملتجیانہ انداز اختیار کرنے کے بجائے ڈنکے کی چوٹ پر اسلام کی برتری کو دلائل سے ثابت کیا ہے اور یورپ والوں کو آئینہ دکھا کر ان کی تہذیب و تمدن داغِ عیوب ہر رنگ میں نمایاں کیے ہیں"۔[۲۱]

۳۔ عوامی اسلوب:

امیر علی اکثر غزوات کا ذکر ایک ایسے انداز سے کرتے ہیں جس میں افواج کی تعداد نہ تواریخِ معینہ کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں، بلکہ ایک عوامی اسلوب کو اپناتے ہوئے بات کو مکمل کر لیتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے سہولت اور اختصار ہی بنیاد پر اپنایا ہو، مثلاً: " پہلی لڑائی وادی بدر میں ہوئی، یہاں مکہ والوں کو شکست فاش ہوئی" اسی طرح احد کے بارے میں کہتے ہیں کہ احد میں اسلامی فوج کی تعداد بہت کم تھی اور مدینہ والوں کو شکست ہوئی۔[۲۲]

۴۔ مؤرخانہ اسلوب:

شاہد حسین زراقی اپنی کتاب "سید امیر علی" میں لکھتے ہیں کہ "تاریخ اسلام" لکھنے کی وجہ سے امیر علی مؤرخ کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ انہوں نے اس کتاب میں انحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے علاوہ عربوں کی تاریخ کو مربوط انداز میں پیش کیا ہے۔[۲۳]

۵۔ تعمیرانہ اسلوب:

محمود احمد غازی لکھتے ہیں کہ امیر علی اسلام اور اسلامی تاریخ مدلل اور مثبت انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اس لیے اسلامی تاریخ کے دامن میں سے کارنامے، ترقی، مفاد عامہ، مثبت انقلاب، رفاہ عامہ، معاشی، انتظامی اور سیاسی ترقی کو اجاگر کرتے ہیں، نہ کہ صرف جنگوں کی خشک داستان بیان کرتے ہیں۔[۲۴]

۔ قانونی اسلوب:

امیر علی چونکہ اسلامی قانون کے ماہر تھے، اس لیے ان کی اکثر تصانیف میں قانونی اسالیب اپنائے گئے ہیں۔ اکثر تاریخی واقعات کو وہ اُس زمانے کے مروجہ آئینی تناظر میں پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں، مثلاً: بنو قریظہ کے بارے میں سعد بن معاذ اوسی نے جو فیصلہ دیا کہ لڑنے والے یہودیوں کو قتل کر دیا جائے اور ان بیوی بچوں کو مسلمانوں کا غلام بنایا جائے، یہاں امیر علی لکھتے ہیں "اس سزا پر عمل کیا گیا، ہمارے خیال کے مطابق یہ سزا بہت سخت تھی، لیکن یہ اس زمانے کے مروجہ آئینِ جنگ کے مطابق تھی"۔[۲۵]

۷۔ اختصارانہ اسلوب:

امیر علی نے سیرت اور تاریخ کو بیان کرنے میں کافی اختصار سے کام لیا ہے، جو کبھی کبھار مبتدی کے لیے مخلِ فہم ہو جاتا ہے اور واقعہ پورا سمجھنے کے لیے کسی اور کتاب کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ البتہ، جنہوں نے تاریخ کی کوئی تفصیلی کتاب پڑھی ہو اور صرف خلاصہ کی ضرورت محسوس کرتے ہوں، ان لوگوں کے لیے یہ انداز مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ امیر علی خود کتاب کے دیباچہ میں نہایت اختصار کے معترف ہیں، مثلاً: وہ لکھتے ہیں" میں نے عربوں کے حالات قبل از اسلام اور پیغمبر عرب ﷺ کی نبوت اور کارناموں کی بابت نہایت اختصار سے کام لیا ہے،"[۲]

۸۔ جانب دارانہ اسلوب:

جہاں پر فوائد اور نقصانات، منفی اور مثبت دونوں جوانب پر روشنی ڈالنی چاہیے، وہاں صرف ایک جانب کو ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ اسلامی تاریخ صرف جنگوں کی تاریخ نہ بن جائے، بلکہ مثبت پہلو نگاہ میں رکھتے ہوئے امیر علی لکھتے ہیں کہ جنگ جمل میں طلحہؓ اور زبیرؓ کی موت واقع ہوئی اور عائشہؓ کو بحفاظت مدینہ پہنچایا گیا اور صفین میں شامی فوج کے پاؤں اکھڑ چکے تھے کہ عمرو بن العاص کے مشورہ پر شامی فوج نے اپنے نیزوں پر قرآن کے اوراق لٹکاتے ہوئے پناہ کا نعرہ بلند کر دیا اور معاملہ ثالثوں کے سپرد کیا گیا۔ حلانکہ یہاں ہر طرف سے مسلمانوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا، جس کا ذکر امیر علی نے اشارتاً بھی نہیں کیا۔[۲۷]

۹۔ عقلیت پسند رجحان:

سید امیر علی اپنی کتاب "روح اسلام" میں جہاں خارق العادہ امور کو زیر بحث لاتے ہیں، وہاں وہ اکثر عقلی اسلوب کو اپنا کر توجیہات ذکر کرتے ہیں یا ان امور کو اگلے لوگوں کے عقیدہ سمجھ کر کھنگالنے سے گریز کرتے ہیں

۔امیر علی اصحاب الفیل کے واقعہ کی تفصیلی بیان کے بعد لکھتے ہے، "یہ بات آسانی سے سمجھ آجاتی ہے کہ ابرہہ کی فوج کی تباہی کسی ایسی ہی خوفناک وبا کا نتیجہ تھی جیسی سنخریب (اشوریوں کا بادشاہ) کی فوجوں کی ہلاکت کا سبب بنی۔اس پر مستزاد غالبا بارش کے ان بے پناہ طونانوں میں سے ایک طوفان تھا جو اکثر وادی مکہ کو خوفناک سیلابوں میں غرق کر دیا کرتے تھے۔ (۲۸)

سید امیر علی کسی اور جگہ رقم طراز ہیں، کہ "رسول عربی کے متبعین اس بارے میں لائق تحسین ہیں کہ انہوں نے کبھی اپنے آقا سے معجزوں کی فرمائش نہیں کی۔۔جب ساری فضا مافوق العادات سے معمور تھی، عقلیت کا یہ عظیم علمبردار معجزوں کا مطالبہ کرنے والے کفار کو بلاتامل جواب دیتا ہے، کہ خدا نے مجھے کرشمے دکھانے کے لیے نہیں بھیجا۔" (۲۹)

امیر علی سورہ بنی اسرایل کے آیہ نمبر ایک اور ساٹھ کی روشنی میں معراج کو ایک عظیم الشان رویا قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس رویا نے شاعروں اور قصہ گو کے لیے شاندار موقع فراہم کر دیا۔اس پر روح اسلام کے مترجم حاشیہ میں لکھتے ہیں، کہ "مصنف نے مسئلہ معراج میں عقلیت پسندانہ انداز تعبیر اختیار کیا۔جمہور اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ سیر اور اسراء کا یہ منہاج جسمانی تھا۔" (۳۰)

امیر علی آپ کی معاشرتی اور عائلی زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ "اس حیرت انگیز معلم کا دماغ اپنی عقلیت نوازی اور ترقی پسندی کے اعتبار سے عہد جدید کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا،اس کی تعلیم کے مطابق دائمی جدوجہد انسانی زندگی کا ایک لازمہ ہے۔ وان لیس للانسان الا ماسعی اور السعی منی والا تمام من اللہ یہ تھے اس کے بنیادی سبق۔" (۳۱)

امیر علی جنگ بدر کے حالات بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں، کہ مسلمانوں کو یقین ہوگیا کہ خدا کے فرشتوں نے ان کی طرف سے جنگ لڑی ہے،اس تصور میں جو شاعرانہ عنصر ہے وہ زبور کی بلیغ ترین عبارتوں کا مقابلہ کرتی ہیں۔"دونوں میں ایک ہی طرح کی شعریت ہے۔" (۳۲) مزید برآں وہ کہتے ہیں، کہ حضرت عیسی اور حضرت محمد ص دونوں متوسل ہستیوں کے قائل تھے اور فرشتوں کے بارے میں "ہمارے عدم اعتقاد اور ان کے اعتقاد دونوں کو وہم و قیاس کا نام دیا جاسکتا ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ ایک سلبی دوسرا ایجابی۔جن چیزوں کو ہم جدید زمانے میں قوانین فطرت کہتے ہیں انہیں کو وہ لوگ فرشتے یعنی آسمانی کارپرداز تصور کرتے تھے۔" (۳۳)

آگے وہ لکھتے ہیں، کہ "حضرت عیسی کی طرح محمد ص اس کے قائل تھے کہ ایک اصولِ شر موجود ہے جو ایک وجود شخصی میں مجسم ہے۔"اور آخر میں لکھتے ہیں، کہ "ملائکہ وشیاطین پر اعتقاد نے اسلام میں بھی اور عیسائیت میں بھی قصص واساطیر کی ایک حیرت انگیز تعداد کو جنم دیا۔عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ آسمان کے اولیا اور فرشتے ان کی طرف سے جنگ کرتے ہیں۔ مسلمان صرف جہادِ زندگی میں فرشتوں کی معاونت قبول کرتا ہے۔" (۳۴)

۱۰۔ تقابلی اسلوب:

امیر علی محمدؐ اور عیسی کی زندگی، صحابہ کرام اور حواریوں، قرآن اور کتب مقدسہ کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں اور کبھی آپ کی رحم دلی اور دوسروں کی سنگ دلی اور جنگ کے وقت احکامات کا موازنہ کرتے ہیں۔ خطبہ عیسی اور خطبہ حجتہ الوداع کا بھی مقارنہ پیش کرتے ہیں۔[۳۵]

ان کے علاوہ افسانوی طرز بیان، تشبیہانہ انداز، تبصرانہ انداز، بلیغانہ انداز اور اسالیب اپنائے گیے ہیں۔

سید امیر علی کے خصوصیاتِ سیرت:

سید امیر علی مختلف النوع اوصاف اور مہارتوں کی حامل شخصیت تھی، اس لیے ان کی خصوصیات بھی زیادہ ہیں، تاہم چند معروف خصوصیات یہاں اس مقالہ کا حصہ گردانتے ہیں۔

وہ کچھ یوں ہیں:۔ ا۔ قانونی مہارت:

امیر علی ایک ماہر ترین قانون دان، قومی، اسلامی اور آیئنی حقوق سے باخبر ایک دور اندیش اور قومی درد رکھنے والے انسان تھے۔ وقت سے پہلے اپنی قوم کو تمام تر خطرات سے باخبر رکھا کرتے تھے اور اکثر مسائل کے بارے میں ایک واضح تصور رکھتے تھے۔ صف اول کے جج شمار کیے جاتے تھے۔ قانونی مہارت اور وکالت کی وجہ سے ان میں تجزیاتی انداز کم اور دفاعی انداز غالب رہا ہے۔ محاضرت سیرت

۲۔ زبان پر عبور:

امیر علی انگریزی زبان کے ادیب سمجھے جاتے تھے، انہوں نے اپنی زبان اور قلم کے ذریعے اسلام کا پیغام غیر مسلم تک عام کرنے کی مکمل کوشش کی۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہر قسم کے الزامات کا مردانہ وار مقابلہ کیا ہے۔ اپنی تصنیفی خدمات کے ذریعے اسلام کے پیغام کو مدلل اور مثبت انداز میں ثابت کر کے چھوڑا ہے۔

۳۔ سلاست بیان:

امیر علی اگرچہ مختصر لکھتے ہیں، جو ان کی ذہانت کی علامت ہوتی ہے۔ اس اختصار کے باوجود، ان کی تعبیر انتہائی واضح اور تسلسل کے ساتھ ہوتی ہے، ایسا لگتا ہے، جیسا کہ وہ کچھ دیکھ دیکھ کر اور ان میں سے چن چن کر خاص خاص کارنامے زیر قلم لاتے ہیں۔ ان کی تعبیر میں تسلسل اور روانی برقرار رہتی ہے۔

۴۔ ذہانت اور اخلاص:

امیر علی کو اللہ تعالی نے ذہانت اور اخلاص جیسی نعمتوں سے نوازا تھا۔ ذہین ہونے کی خاطر امیر علی ایک ماہر ترین قانون دان، جو صف اول کے ماہرین قانون میں ان کا شمار کیا جاتا تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنی گوناگون مصروفیات کے باوجود سیرت اور تاریخ کے علاوہ دیگر قومی اور ملکی موضوعات پر گران قدر تصانیف چھوڑے ہیں۔ اور اپنی اخلاص کی وجہ اللہ تعالی نے ان کی صلاحیتوں کو اپنے دین اور مسلمانوں کے دفاع کرنے کے لیے استعمال کیا۔

۵۔عالمگیریت:

امیر علی ملکی و بین الممالک سیاسی، معاشرتی، قومی و علاقائی مسائل سے اگاہی رکھتے تھے۔اس اگاہی کو عام کرنے کی مکمل کوشش کرتے تھے۔اس لیے انہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق، دستوری اصلاحات سے لے کر افغانستان اور ایران کے خلاف برطانوی منصوبوں اور ترکی، طرابلس اور بلقان کی جنگوں میں اپنی خیالات کے اظہار کے علاوہ عملی طور پر حصہ لیتے تھے۔

سر سید احمد خان اور جسٹس سید امیر علی کے مشترکات اور مفترقات:

فطری اور کسبی دونوں حیثیات سے سید احمد خان اور سید امیر علی کے درمیان بنیادی افتراق و اشتراک پایاجاتاہے۔زمانہ، تقاضے، ماحول اور مخاطبین کی وجہ سے فطری طور پر کچھ نہ کچھ مفترقات پیداہی ہوجاتے ہیں۔اور فطری افتراق آگے جاکر کسبی افتراق کا سبب بھی بن جاتاہے۔اسی طرح کسبی مہارتیں،اثر اور تاثیر کا قدرتی سلسلہ، خدمات اور اھداف کااشتراک، یکسانیت، یگانگت اور اتحاد کا ذریعہ بھی بن جاتاہے، جس سے دو افراد کے درمیان مشترکات پید ہوجاتے ہیں۔لہذاان دونوں کے درمیان مختلف اعتبارات سے اختلاف واتحاد پایاجاتا ہے، لیکن اس مقام پر سیرت نگاری اور اس کے متعلقات کے اعتبار سے اشتراک وافتراق کو زیر قلم لایاجاتاہے۔ وہ کچھ یوں ہیں:۔ مشترکات:

ا۔تقابلی انداز بیان:

سید احمد خان اور امیر علی نے اسلام اور بانی اسلام کا دیگر ادیان اور ان کے بانیان کے ساتھ تقابلی جائزہ لیتے ہوئے اسلام کی برتری کو مختلف اعتبارات سے واضح کیاہے۔

2۔کتب مقدسہ سے استفادہ:

کتب مقدسہ سے استدلال، بشارات اور تاریخی حوالے دونوں نے استعمال کیاہے۔

3۔عقلیت پسند رجحان:

مابعدالطبیعاتی امور پر دونوں کا نظریہ یکسان رہاہے۔اس لیے تصور ملائکہ، تصور شیطان، معجزات، جنت اور جہنم کے بارے میں عقلی انداز تعبیر اختیار کیاہے۔ (۳)

۴۔دفاعی انداز بیان:

اسلام اور بانئ اسلام کے خلاف الزامات کی تردید میں دونوں نے بھرپور حصہ لیاہے۔بہترین انداز میں دفاع کرنے کا حق ادا کیاہے۔

۵۔عقیدت اور عشق رسالت:

دونوں کی خدمات انتہائی عقیدت اور عشق رسالت پر مبنی ہیں۔

۶۔انداز بیان:

دونوں کی کتابیں، زبان کے اعتبار سے سادہ، اسلوب کے اعتبار سے دل نشین، دلائل کے اعتبار سے مؤثر اور پیش کش کے اعتبار سے انتہائی عالمانہ اور ادیبانہ ہیں۔

۷۔تدوینِ حدیث کے بارے میں ان کی رائے:

تدوین حدیث کے بارے میں سید احمد کہتے ہیں کہ اکثر احادیث روایت بالمعنی ہے، اس لیے وہ لفظی تغیر سے خالی نہیں ہے۔ لہذا احادیث کو تحقیق کے بغیر قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح امیر علی کہتے ہیں "آپ ﷺ کی زندگی کی چھوٹی سے چھوٹی جزئیات بھی نہایت احتیاط سے قلم بند ہو کر نسلا بعد نسل ہم تک پہنچی ہیں۔ لیکن ان کی ظاہری صورت ایسی سختی سے متعین ہو گئی ہے جو آپ ﷺ کی حقیقی تعلیمات کی روح کے منافی ہے۔" اس بیان پر روح اسلام کا مترجم حاشیہ میں کہتے ہیں کہ احادیث کے میں مصنف کی رائے میں کھلا ہوا تضاد پایا جاتا ہے۔ "غالبا مصنف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ احادیث نے زندگی کے جن تعینات کی نشاندہی کی ہے، ان سے اسلام کی آفاقی و عالمگیر روح مجروح ہوئی ہے، لیکن اس کا تعلق تو نقطہ نگاہ اور تعبیر سے ہے۔ احادیث کی روایت و تحریر سے نہیں۔"(۳۷)

اس لیے احادیث کی تدوین کے بارے میں دونوں کی نقطہ نگاہ قریب قریب دیکھائی دیتی ہے۔

مفترقات:

۱۔مخاطبین اور اھداف کا اختلاف:

سید احمد خان کے مخاطبین اولا، سر ولیم میور اور ان کے متبعین ہیں، ثانیا، تمام مغربی و مشرقی مسلمان و غیر مسلمان علما ہیں۔ چونکہ ان کے مخاطبین مستشرقین ہیں، جو کہ اکثر ان میں سے معاندین ہیں، یعنی عناد اور ضد کی بنا پر حقائق سے آنکھیں چراتے ہوئے غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسرے وہ سادہ لوح یا عقیدت پسند علما، جو بغیر کسی تحقیق و تدقیق کے ہر قسم کی روایات کو قبولیت کی سند مہیا کرتے ہیں۔

اس صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسے عالمانہ اسلوب کہ علما قائل ہو سکیں اور ایسے عام فہم اور سہل ہوں کہ عام لوگ مستفید ہو سکیں، اختیار کرنا مناسب تھا۔ اس لیے سید صاحب نے اپنی تالیفات میں الزامی اسلوب کے بجائے تحقیقی، معاندانہ اسلوب کے بجائے منصفانہ اور اختصار مخل کے بجائے عالمانہ اور تفصیلانہ اسلوب اپنا کر مخاطبین خصوصی و عمومی کو تسلی و تشفی کرائی۔

جبکہ امیر علی کے مخاطبین مکمل طور واضح ہیں، نہ ہی انہوں نے کسی خاص آدمی کے جواب میں تصانیف پیش کی ہیں، بلکہ عمومی معاشرتی اور مذہبی مفاد کو سامنے رکھ کر کتابیں لکھی ہیں۔ چونکہ مخاطب اور بنیادی ھدف کے تغیر سے انداز اور اسلوب بھی تبدیل ہو جاتے ہیں، جیسا کہ فصاحت و بلاغت کا بھی یہی تقاضا ہے۔ اس لیے ان کے سامنے عمومی اصلاح، تعمیر اور اسلام کو ایک جدید اور ترقی یافتہ مذہب کے طور پیش کرنا تھا۔ اس مقصد کو حاصل

کرنے کے لیے انہوں نے اپنی تصانیف کو دلچسپ، مختصر، افسانوی اور تبصراتی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسلام کی تعمیراتی اور مثبت پہلو پر زیادہ توجہ صرف کی ہے۔ بعض مقامات کو انتہائی اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ تاکہ قارئین کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کی ایک خوبصورت تصویر منقش ہو سکے۔

۲۔ مفصل اور مختصر: سید احمد خان کی تصانیف انتہائی مطول اور تفصیلی ہے، جن کو اسی انداز سے مکمل کرنا کافی مشکل بھی ہے۔ جبکہ امیر نے اختصار کو اپنا کر اپنے کام کو پائے تکمیل تک پہنچایا ہے۔

۳۔ قدیم مآخذ میں کے بارے میں نقطہ نظر کا فرق:

سید احمد خان کے ہاں قرآن کے علاوہ باقی سارے مآخذ و مصادر قابل تحقیق ہیں۔ مزید برآں، انہوں نے سیرت کے اکثر مآخذ، مثلاً؛ بیہقی، دار قطنی، مواھب لدنیہ، سیرت ابن ہشام، تاریخ بخاری، تاریخ طبری، ابن سعد، کاتب ، واقدی، مدارج النبوہ، قصص الانبیاء، معراج نامہ، مولد نامہ وغیرہ کا نام لے لے کر ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کے اکثر روایات موضوع ہے۔ جبکہ امیر علی نے اپنی تصانیف کے لیے چند مآخذ و مصادر ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ میری تصانیف کی بنیاد ان پر ہے۔

۴۔ منصفانہ اور جانب دارانہ اسلوب:

امیر علی نے اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کرتے ہوئے اسلام کی خوب صورت تصویر پیش کرنے کی پوری کوشش کی ہے جبکہ سید احمد خان نے معتدل اور درست تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

۵۔ مجدد اور مقلد:

سید احمد خان اس نئے طرز میں مجدد کی حیثیت رکھتے ہے۔ دفاعی انداز بیان، کتب مقدسہ سے استدلال کرنا اور تاریخی ورثہ کا از سر نو جائزہ لینے میں وہ سب سے سابق سمجھے جاتے ہے۔ اسی لیے ان کے طرز سیرت نگاری کو دبستانِ سرسید کہا جاتا ہے۔ اس حوالے سے ان کا کوئی قابل تقلید نمونہ نہیں تھا۔ جبکہ امیر کے لیے تو سید صاحب موجود تھے۔[۳۸]

۔ تخصص اور عدم تخصص:

سید احمد خان کسی ایک فن میں بھی ماہر نہیں تھے، جبکہ امیر علی اسلامی قانون کے ماہر اور متخصص تھے۔

۷۔ اسلام اور مسلمانوں کا دفاع:

سید احمد نے صرف اسلام کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے، مسلمانوں کی نہیں۔ علما سابقہ و موجودہ میں سے کسی کو بھی معاف نہیں کیا، جبکہ امیر علی نے اسلام اور مسلمانوں دونوں کا دفاع کرنے کو شش کی ہے۔[۳۹]

۸۔ آزادانہ اور ہم آہنگ نقطہ نظر:

سید صاحب مذہب کے اندر اور مذہب سے باہر، دونوں لحاظ سے مذہبی آزادی کے قائل اور عامل نظر آتے ہیں، جہاں بھی ان کو اپنی نقطہ نگاہ کے خلاف یا عقلی و نقلی اصولوں کے خلاف کوئی بھی امر نظر آتا ہے چاہے جہاں بھی

اور جس کے ساتھ بھی، وہ اپنی نقطہ نظر کو واضح کرتے ہیں، کسی کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے۔ جبکہ امیر علی مذہب سے باہر تو اچھا خاصا دفاع کرتا ہے اور مذہب کے اندر مسلمانوں کے مسلمات کو مقصودی انداز میں زیر قلم لانے کی کوشش نہیں کرتا، بلکہ اکثر اوقات ان کو مبہم یا ممکنات میں شمار کرکے نکتہ چینی سے گریز کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ البتہ کبھی کبھار ان کو ان زیادہ اہمیت دیتا ہے، جس سے ان کی رائے ظاہر ہو جاتی ہے۔ محقق کا خیال یہ کہ چونکہ امیر علی اسلام اور مسلمانوں کی مثبت پہلو کو اجاگر کرنے کی زیادہ کوشش کرتا ہے، اس لیے وہ مسلمانوں کے اندر کے اختلافی امور یا اعتقادی امور، جن کا عملی زندگی سے زیادہ تعلق نہیں ہے، ان کو مدھم انداز میں ذکر کرتا ہے، اس لیے انہوں نے مآخذ سیرت کو بھی تنقیدی انداز میں دیکھا ہے۔ (۴۰)

خلاصہ:

اس مقالہ میں سر سید احمد خان اور جسٹس سید امیر علی کی خدمات سیرت نگاری، ان کے اسالیب، خصوصیات، مشترکات اور مفترقات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

سید احمد خان اور امیر علی نے سیرت نگاری کے علاوہ عقائد، سماجی و معاشرتی، سیاسی و قومی مسائل، ملکی و بین الاقوامی تعلقات پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہیں۔ ہر موضوع میں ان دونوں کے نقطہ نگاہ میں اشتراک یا افتراق کا پہلو پایا جاتا ہے۔ اس مقالہ میں صرف سیرت نگاری کے حوالے سے ان کے درمیان موازنہ پیش کیا گیا ہے۔

چنانچہ، سیرت نگاری میں اسلام کا دفاع اور نبی پر الزامات کی تردید ان دونوں کا مقصود اصلی اور مشترکہ ھدف نظر آتا ہے، جس سے ان دونوں کی اسلام اور پیغمبر اسلام سے محبت کا اندازا بھی ہو جاتا ہے۔ مزید برآں، اس ھدف کو حاصل کرنے کے لیے تقابلی، دفاعی انداز بیان کے ساتھ ساتھ کتب مقدسہ سے استفادہ اور عقلیت پسند رجحان کو بھی اپنایا گیا ہے۔

البتہ، سید احمد خان نے اپنے مخاطبین کا لحاظ رکھتے ہوئے، تفصیلی دلائل کی روشنی میں اپنے ھدف تک رسائی حاصل کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں قدیم مآخذ سیرت پر نظر ثانی، آزادانہ اور منصفانہ طور پر صرف اسلام کے دفاع کو اپنے لیے لازم قرار دیا ہے، جبکہ امیر علی اپنے مخاطبین کے لحاظ سے تفصیلی دلائل کے بجائے اختصار اور خلاصہ بیان کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس اثنا میں قدیم مآخذ سیرت پر اعتماد کا اظہار کے ساتھ ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کو بھی اپنے اوپر لازم قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کے اندرونی مباحث زیر قلم لانے کے بجائے تعمیری کرداروں کو فروغ دیتے ہیں۔

مزید برآں، سید احمد خان کی کتابوں کو پڑھنے سے، علمی استفادہ کے علاوہ، تحقیق کا سلیقہ، تحقیق میں عرق ریزی، الزام کی تردید میں اعتدال، تحمل، انصاف، انداز بیان میں تسلسل، علمی باریکیاں اور منطقی طرز استدال جیسی قیمتی اوصاف سے محقق متصف ہو سکتا ہے۔ جبکہ امیر علی کی تصانیف مختصر ہونے کی وجہ ان لوگوں کے لیے زیادہ مفید ثابت ہو سکتی ہیں، جنہوں نے اس سے پہلے تاریخ کی کوئی تفصیلی کتاب پڑھی ہو۔ البتہ، خالی الذہن یا وہ افراد جنہوں نے تاریخ کے متعلق کوئی مفصّل کتاب نہیں پڑھی ہو، ان کے لیے اس سے مجموعی تصور تو ذہن میں

آجاتا ہے، تاہم کما حقہ استفادہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کئی جگہوں پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موصوف واقعہ کی پوری تفصیل ذہن میں رکھتے ہوئے، صرف نتائج، فوائد اور نقصانات کے ذکر کرنے پر اکتفا کرلیتا ہے اور اختصارِ مخل کے حدود میں داخل ہو جاتا ہے، جس سے ایک مبتدی کو، کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

تاہم، ان دونوں کی خدماتِ سیرت انتہائی قابل قدر اور نتیجہ خیز ہیں، جن کو پڑھنے سے اسلام کی واضح برتری دلنشین ہو جاتی ہے۔

References:

1. Hali, Moulana, Altaf Husian, Hayat Javed, Alhamd Market, Lahor,2015:1/23
2.Aezan:31,32
3.Professor, Muhammad Aslam, Tahreek Pakistan, Riaz Baraders, lahor,1993: page,80,82
4.Aezan: 80,84
5.Pani Pati, Moulana Muhammad Ismail, Maqalat Sir Syed, Majlas Taraqi Urdu Adab, Lahor,1992:11/717
6.Aezan:16/803
7. Aezan:13/700
8. Aezan:13/663
9. Aezan:13/641
10. Aezan:13/181
11. Aezan:13/694
12. Aezan:16/640
13. Aezan:16/175
14. Aezan:16/670
15.Ateeque Siddiqi, Sir Syed Ahmad Kkan, Zahida Naveed Printer, lahor,2014:60
16. Pani pati, Moulana Muhamma Ismail, Maqalat Sir Syed, Majlas Taraqi Urdu Adab, Lahor,1992:11/370
17. Zurraqi, Shaid Husain, Syed Ameer Ali, Idara Thaqafat Islamia, lahor,2010: p, 11,15
18. Aezan:239
19. Aezan:252
20.Muhammad Hadi Hussain(Tran), Rohi Islam, Alhamd Publications, Lahor,2011: P,7
21. Muhammad Ihsan ul Haq, (Trns), Tareekh Islam, Alfiasal Nasheran wo tajaran kutub, Lahor,2017: p, 7
22.Aezan:38
23. Zurraqi, Shaid Husain, Syed Ameer Ali, Idara Thaqafat Islamia, lahor,2010: P,252
24.Ghazi, Dr, Mehmood Ahmad, Muhazarati Seerat, Alfaisal Nasheeran wa TajeranKutub, Lahor:590
25. Muhammad Hadi Hussain(Tran), Rohi Islam, Alhamd Publications, Lahor,2011:140
26. Muhammad Ihsan ul Haq, (Trns), Tareekh Islam, Alfiasal Nasheran wo tajaran kutub, Lahor,2017:23
27. Muhammad Hadi Hussain(Tran), Rohi Islam, Alhamd Publications, Lahor,2011:31
28.Aezan:23
29. Aezan:64
30.Aezan:79

۳۱۔ اس مقام پر وہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۹۵، ۹۴، ۹۲ اور اعراف کی آیت ۱۸۸ کیے تراجم پیش کرتے ہیں۔ وہ یوں ہے؛

"خدا نے مجھ کو کرشمے دکھانے کے لیے نہیں بھیجا، اس نے مجھ کو تمھاری ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔ قابل تعریف ہے میرا پروردگار

!کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں ؟۔۔۔فرشتے زمین پر آباد نہیں، ورنہ خدا کسی فرشتے کو تمہارے پاس پیغمبر بنا کر بھیجتا۔۔۔میں نے کبھی دعوی نہیں کیا کہ خدا کے خزانے میرے قبضے میں ہیں یا مجھے غیب کا علم ہے یا میں کوئی فرشتہ ہوں۔"امیر علی کہتے ہیں کہ آپ نے نہ کوئی غیر معمولی ادعا، نہ کوئی مبالغہ امیزی اور نہ کوئی ساحرانہ کوشش کی ہے، بلکہ اول سے آخر تک آپ کے کلام اپنے خالق کے حضور میں ایک سیدھے سادے اور عمیق عجز وانکساری سے پر ہیں۔۔۔"وحدانیت کا پیغمبر از بسکہ فطرت کا پیغمبر تھا" اکثر کائناتی اور فطری مظاہر سے استدلال پیش کرتے ہیں اور اپنی بات کو مؤثر بنانے کے لیے کبھی معجزوں کی آڑ نہیں

لیتے۔

32. Aezan:121

۳۳۔روح اسلام کا مترجم صفحہ نمبر ۱۴۳ کے حاشیہ میں لکھتا ہے کہ "سورہ بدر میں فرشتوں کا نازل ہونا صرف تاریخی روایات کی طرفہ طرازی نہیں کہ اس کو شاعرانہ انداز بیان پر محمول ٹھہرایا جائے۔بلکہ اس کا تعلق قران کی نص سے ہے، چنانچہ سورہ انفال کی جس آیت کی طرف تحشیہ میں اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے:اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی مدکم بالف من الملائکہ مردفین(انفال) "اس کے بعد مترجم لکھتا ہے کہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ یہاں جو کچھ کہا گیا ہے وہ امر واقعہ ہے، یہ صرف شاعرانہ یا ساحرانہ اسلوب بلاغت نہیں ہے۔

34.Aezan:143
35.Aezan:144
36.Aezan: 124,125,169,168,197
37.Aezan: 129
38. Hali, Moulana, Altaf Husian, Hayat Javed, Alhamd Market, Lahor,2015:2/117
39. Ghazi, Dr, Mehmood Ahmad, Muhazarati Seerat, Alfaisal Nasheeran wa Tajeran Kutub, Lahor:580
40. Muhammad Hadi Hussain(Tran), Rohi Islam, Alhamd Publications, Lahor,2011:80